AL-HAYAT Research Journal
Category Y
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759
Volume 3 Issue 2 (Jan-Mar 2026)

آئمہ فقہ کے مابین اجتہادی اختلافات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ: شرعی حیثیت، اسباب، حکمتیں اور محاسن

A Research and Analytical Study of Ijtihād-Based Differences among the Imams of Islamic Jurisprudence: Legal Status, Causes, Underlying Wisdoms, and Merits

Ayesha sadiqa
Lecturer, Government associate college for women Bhikhi, sheikhupura

Dr Saeed Ahmad
Associate Professor/Chairman Department of Islamic Knowledge, University of the Punjab, Lahore
seeratusman5@gmail.com

Abstract

This study presents a critical and analytical examination of ijtihād-based differences among the classical Imams of Islamic jurisprudence and explores their legal status, underlying causes, wisdoms, and merits. Juristic disagreement (ikhtilāf) is not a sign of contradiction within Islamic law, but rather a natural outcome of scholarly effort in interpreting the Qurʾān and Sunnah where texts allow multiple meanings or lack explicit detail. The research identifies key causes of these differences, including variations in textual interpretation, principles of ḥadīth authentication, methodological diversity in legal reasoning, and the influence of socio-cultural contexts. It further highlights the wisdom behind such diversity, emphasizing its role in facilitating legal flexibility, removing hardship, and accommodating changing circumstances across time and place. The study also discusses the positive contributions of juristic disagreement to intellectual development, preservation of evidences, and promotion of tolerance and mutual respect among scholars. Concluding that these differences represent a source of strength rather than division, the paper underscores their enduring relevance in addressing contemporary legal and social challenges within the framework of Sharīʿah.

Keywords: Ijtihād, Juristic Differences, Islamic Jurisprudence, Legal Status, Causes of Ikhtilāf, Wisdom and Merits

تمہید

اسلام ایک کامل، ہمہ گیر اور ابدی ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس جامع نظامِ حیات کی عملی تعبیر و تشریح کا عظیم کارنامہ فقہِ اسلامی کے ذریعے انجام پایا، جس میں آئمہ مجتہدین نے قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں انسانی مسائل کے حل کے لیے بے مثال علمی و فکری کاوشیں کیں۔ انہی کاوشوں کا ایک اہم پہلو آئمہ فقہ کے مابین اجتہادی اختلافات ہیں، جو بظاہر تنوع رکھتے ہیں مگر حقیقت میں شریعت کی وسعت، لچک اور حکمت کا مظہر ہیں۔ اجتہادی اختلافات کو اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو وہ اختلاف و انتشار کا سبب محسوس ہوتے ہیں، لیکن گہرے علمی تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اختلافات دراصل علمی ارتقاء، فکری پختگی اور عملی آسانی کا ذریعہ ہیں۔ جب نصوصِ شرعیہ میں گنجائش ہو یا مختلف تعبیرات ممکن ہوں، تو مجتہدین اپنے اپنے اصول و مناہج کی بنیاد پر آراء قائم کرتے ہیں، جس سے فقہ اسلامی میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ یہ تنوع امت کے لیے رحمت، سہولت اور حالات کے مطابق احکام کے اطلاق میں لچک فراہم کرتا ہے۔

اسلامی فقہ میں اجتہادی اختلافات کا وجود کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ صدرِ اسلام سے ہی چلا آرہا ہے۔ یہ اختلافات نہ صرف فقہ اسلامی کی وسعت اور گہرائی کا ثبوت ہیں بلکہ امت کے لیے ایک رحمت اور آسانی کا باعث بھی ہیں۔ اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ مجتہد قرآن و سنت کی روشنی میں گہرے غور و فکر اور علمی بصیرت کے ذریعے ایسے شرعی مسائل کا حل تلاش کرے جن میں صریح نصوص موجود نہ ہوں یا جن میں تاویل و تعبیر کی گنجائش ہو۔ ایسے مواقع پر آئمہ کرام کے مابین اختلافِ رائے ایک فطری اور ناگزیر امر بن جاتا ہے۔

CC BY

ان اختلافات کی اصل اہمیت اس امر میں مضمر ہے کہ یہ مختلف حالات، زمانوں اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق شرعی احکام کے نفاذ میں لچک پیدا کرتے ہیں۔ ہر خطہ، ہر تہذیب اور ہر دور کے اپنے مخصوص مسائل اور ضروریات ہوتی ہیں، اور اجتہادی اختلافات ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ مزید برآں، یہ اختلافات علمی تحقیق، مکالمہ اور گہرے فکری تجزیے کو فروغ دیتے ہیں، جو نہ صرف فقہ اسلامی کی ترقی کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ اسلامی قانون سازی کو ایک زندہ اور متحرک نظام کے طور پر قائم رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر تحقیق میں انہی اجتہادی اختلافات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا، تاکہ ان کی شرعی حیثیت، اسباب، حکمتیں اور محاسن کو واضح کرتے ہوئے یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ اختلافات درحقیقت امت کے لیے رحمت، فکری وسعت اور عملی رہنمائی کا ایک قیمتی ذریعہ ہیں۔

اجتہادی اختلافات کے اسباب و عوامل

آئمہ فقہ کے درمیان اجتہادی اختلافات کے اسباب و عوامل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ نصوص کا مختلف فہم:

قرآن و سنت کی نصوص میں ایسے الفاظ اور عبارات موجود ہیں جن کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں، جس کی وجہ سے فقہا کے فہم میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

i. **ظنی الدلالت نصوص:** وہ نصوص جن کا مفہوم قطعی نہ ہو اور کئی احتمالات پر مبنی ہو۔

ii. **عموم و خصوص کا فرق:** بعض نصوص عام ہوتی ہیں اور بعض خاص، ان کے اطلاق میں اختلاف۔

iii. **ناسخ و منسوخ کا علم:** کسی آیت یا حدیث کا بعد میں آنے والی آیت یا حدیث سے منسوخ ہونا۔

قرآن و سنت کے نصوص کا فہم آئمہ کے مابین اختلاف کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ بعض اوقات الفاظ کے لغوی معنی، سیاق و سباق، اور دیگر متعلقہ نصوص کی بنیاد پر مختلف تعبیرات سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر، "قرء" کے لفظ کی تفسیر میں اختلاف، جو حیض اور طہر دونوں معانی پر محمول ہو سکتا ہے۔

2۔ روایات کی صحت و ضعف کا معیار:

حدیث کی روایات کی صحت و ضعف کے حوالے سے ہر امام کا اپنا ایک منہج تھا۔ بعض آئمہ کسی حدیث کو صحیح مانتے تھے جبکہ دوسرے اسے ضعیف سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ راویوں کے احوال، ان کے حافظے، اور عدالت و ضبط کی جانچ پرکھ کے معیار میں بھی فرق تھا، اس وجہ سے فقہا کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے۔

3۔ قواعد فقہ و اصول اجتہاد:

ہر امام نے اپنے اجتہاد کے لیے کچھ قواعد و اصول وضع کیے تھے، جیسے قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، سد الذرائع، اور عرف۔ ان اصولوں کے اطلاق اور ان کی ترجیح میں اختلاف کی وجہ سے فقہی آراء میں فرق پیدا ہوا۔

4۔ عرف و رواج کا اثر:

مختلف علاقوں کے سماجی و ثقافتی حالات اور عرف و عادات بھی فقہی آراء پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ایک علاقے میں رائج رسم و رواج کو فتویٰ دیا جاتا، دوسرے علاقے کے عرف کی بنا مد نظر رکھتے ہوئے جو پر اس میں تبدیلی ممکن تھی۔

ان تمام عوامل نے مل کر اجتہادی اختلافات کو جنم دیا، جو اسلامی فقہ کی وسعت اور لچک کی علامت ہیں۔ یہ اختلافات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام ہر دور اور ہر علاقے کے انسانوں کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شرعی حیثیت:

CC BY

حقیقت یہ ہے کہ جزوی اور فروعی مسائل میں یہ فقہی اختلاف تاریخ کے اس طویل عرصہ میں امت مسلمہ کے حق میں رحمت ثابت ہوتے رہے ہیں، مختلف علاقوں کی خصوصیات، لوگوں کے مختلف احوال، زمانہ کے مختلف تقاضوں اور تبدیلیوں میں ان مختلف آراء کی وجہ سے یہ بات ممکن ہوتی رہی کہ امت کے لئے آسانی لائی جاتی رہے۔ امت کی کتنی مشکلات اس اختلاف رائے سے حل ہوئی ہیں، اور موجودہ دور کے بے شمار متنوع و پیچیدہ مسائل کا حل ڈھونڈنے میں اس فقہی اختلاف سے استفادہ کیا جارہا ہے۔

فقہی اختلاف کے پس پشت کار فرمایہ حقیقت جب نگاہوں میں واضح رہتی ہے کہ ہر اختلاف دلیل پر مبنی ہے، اور ہر مجتہد وفقیہ کی رائے کی پشت پر قرآن وحدیث کے دلائل ہیں تو ایک ہی مسئلہ میں اہل علم کی رائیں مختلف ہونے کے باوجود تمام آراء قابل قدر ہی نہیں شریعت کا حصہ قرار پاتی

ہیں، اور اس روشنی میں فقہی اختلاف کی حیثیت خود بخود نکھرنے لگتی ہے۔[1]

وحی و نبوت کی معلومات کی روشنی میں آئندہ پیش آنے والے واقعات وحوادث کے متعلق جدید نتائج واحکام کو صحیح اصول پر مستنبط کرنا، اور اس کے مطابق امر وحکم دینے کی ماہرانہ استعداد پیدا کرنے کے لیے قرآن میں حق تعالیٰ نے

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ[2]

یعنی پھر کیوں نہ چل پڑا ہر فرقے سے ایک الگ گروہ "الدین" میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے، تاکہ چوکنا ئیں اپنی قوم کو، کہ وہ لوگ جو پلٹ کر آئیں ان کے پاس، شاید کہ وہ (نافرنیوں) سے بچیں۔

کی آیت نازل فرماکر "تفقہ فی الدین "پیدا کرکے امر وحکم کے صحیح استحقاق حاصل کرنے والوں کے لیے اسلام میں ایک مستقل باب کا افتتاح فرمادیا۔ یہی نص محکم دراصل قیامت تک پیش آنے والی دینی و قانونی ضرورتوں کے حل کی اساسی بنیاد ہے۔ قرآن میں فرض قرار دیا گیا کہ ہر فرقہ اور ہر جماعت سے ایک گروہ وحی و نبوت کی ان معلومات کی سمجھ اور ان میں تفقہ پیدا کرنے کے لیے تیار ہو۔ ظاہر ہے کہ اس خطاب کے پہلے مخاطب اور اس فرض کے پہلے مکلف صحابہ کرام اور عہد نبوت کے مسلمان تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

" جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ملتا ہے۔"[3]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہادی غلطی بھی اجر سے خالی نہیں ہوتی۔

سنت صحابہ کی اتباع:

اسلامی شریعت کے اپنے مصادر اور اپنی تشریحات دونوں کے ساتھ امت تک منتقل ہونے میں سب سے پہلی کڑی پاکباز جماعت صحابہ کی ہے۔ صحابہ تمام کے تمام عادل وثقہ، قابل اعتماد و قابل بھروسہ اور اسلامی شریعت کے مزاج آشنا تھے، انھوں نے نہ صرف احکام وہدایات کا مجموعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا، بلکہ زندگی پر ان کی تطبیق اور ان کی عملی تشریح بھی زندگی بھر دیکھی تھی، صحابہ کرام کی اسی حیثیت اور اسی مقام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

"میرے اصحاب مانند نجوم ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پالوگے۔"[4]

اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جو اختلافات آج بظاہر آئمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں ان اختلافات کا ایک بڑا حصہ در اصل صحابہ کے اختلافات پر مبنی ہے، اور ان ہی سے منتقل ہو کر اختلافات کا یہ قصہ تابعین وتبع تابعین اور ان کے بعد کے طبقات میں پہنچا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان اختلافات کے متعلق سوال ابتدا میں ہی اُٹھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حقیقی بھتیجے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر جن کا شمار ان سات آدمیوں میں تھا جو فقہ اور حدیث کی تاریخ میں فقہائے سبعہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کا قول کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ

لقد نفع الله باختلاف أصحاب النبي في أعمالهم، لا يعمل العامل بعمل رجل منهم إلا ورأى أنه في سعته، ورأى أن خيرا منه عمله.[5]

"یعنی نبی ﷺ کے صحابیوں کے جو اختلافات ان کے اعمال میں تھے خدا نے ان سے یہ نفع پہنچایا کہ مسلمانوں میں سے جو کوئی صحابیوں میں سے کسی صحابی کے طرز عمل کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اپنے آپ کو گنجائش پاتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو کام کیا ہے وہ ایسا کام ہے جسے اس سے بہتر آدمی نے کیا تھا۔"

یعنی اس اختلاف کی وجہ سے ہر مسلمان اب عمل کے ہر پہلو کے لیے اپنے سامنے ایک ایسا نمونہ رکھتا ہے جو بہر حال اس سے بہتر کا ہے۔ صحابہ کرام کے اختلافات پر تو خیر یہ بات صادق بھی آتی ہے، ہم عاموں کے لیے یہی حال آئمہ کے اختلافات کا ہے کہ امام مالک نہ سہی امام ابو حنیفہ کا تو عمل ہے، یا شافعی کا نہ سہی امام احمد بن حنبل کا تو عمل ہے، اور ہم سے تو بہر حال سب ہی بہتر اور خیر ہیں۔

CC BY

اس احساس کے بعد آدمی اپنے آپ کو اگر اس گنجائش میں پائے جس کی طرف حضرت قاسم بن محمد نے اشارہ فرمایا ہے تو آپ ہی بتایئے کہ اس کے سوا اس کا دوسرا احساس اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا:

أي ذلك أخذت لم يكن في نفسك منه شيء.[6]

ان اختلافات میں سے جسے بھی تم اختیار کر لو تو چاہیے کہ پھر تمہارے جی میں کھٹکا نہ رہے

صحابہ کا ذکر کر کے الشاطبی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ

إنما اختلفوا فيما أذن لهم من اجتهاد الرأي والاستنباط من الكتاب والسنة فيما لم يجدوا فيه نصا،

واختلفت في ذلك أقوالهم فصاروا محمودين، لأنهم اجتهدوا فيما أمروا به.[7]

یعنی وہ ان ہی باتوں میں مختلف ہوئے جن میں اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کا انھیں حکم ملا ہوا تھا، یہ کہ جن حوادث کے متعلق نص میں کوئی صراحت نہ ملے تو کتاب و سنت سے استنباط کریں، اور اس میں ان کے اقوال و آرا مختلف ہو گئے، اور وہ اپنے اس اختلاف میں مستحق مدح وستائش ہیں کہ جس بات میں انہیں حکم اجتہاد کا دیا گیا تھا ان ہی کے متعلق انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔

فقہی اختلاف تابعین اور تبع تابعین کی نظر میں :

صحابہ کرام کے درمیان فروعی اور تفصیلی مسائل میں اختلاف رائے ہوا اور اسے خود صحابہ کرام نے باعث زحمت نہیں، بلکہ باعث آسانی ورحمت سمجھا۔ اس طرح صحابہ کرام کے طرز فکر و عمل نے اس کی حیثیت واضح کر دی اور آئندہ والوں کے لئے نقوش راہ بھی متعین کر دیے۔

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز جن کو معلم العلماء کا خطاب اپنے زمانہ کے علماء سے ملا تھا۔ اس باب میں ان کا نقطہ نظر تو اتنا بلند تھا کہ اعلانیہ فرماتے تھے کہ

ما أحب إن لم يختلفوا.

یعنی اگر صحابہ مختلف نہ ہوتے تو میرے لیے یہ ناگوار بات ہوتی۔

اپنے اس خیال کی توجیہ وہ بھی یہی کیا کرتے تھے:

لأنه لو كان قولا واحدا كان الناس في ضيق.[8]

یعنی اگر ان امور میں ایک ہی فتویٰ ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔

آپ فرماتے ہیں، الدارمی میں ہے:

لو اجتمعوا على شيء فتركه ترك السنة، ولو اختلفوا فأخذ رجل بقول أحد أخذ السنة.[9]

یعنی اگر ایک ہی بات پر وہ صحابہ متفق ہو جاتے تو اس بات کا چھوڑنا سنت کا چھوڑنا ہو جاتا، اور جب وہ مختلف ہو جاتے تو ان میں سے جس کسی کے قول کو کوئی اختیار کر لے گا سمجھا جائے گا کہ سنت ہی کو اس نے اختیار کیا۔

انہوں نے اپنی حکومت کی طرف سے مسلمانوں میں یہ فرمان جاری کیا جیسا کہ الدارمی میں ہے:

ثم كتب إلى الآفاق و إلى أولى الأبصار ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاء هم.[10]

یعنی پھر انھوں نے اپنے تمام محروسہ ممالک کے ارباب بینش و دانش کے نام یہ فرمان لکھوا بھیجا، چاہیے کہ ہر ملک کے باشندے اس کے متعلق فیصلہ کریں جس پر ان کے فقہا کا اتفاق ہو۔

ظاہر ہے کہ اس اتفاقی (متفقہ) فیصلہ کے مطابق عمل کرنے کا مطلب یہی ہوا کہ مختلف علاقوں کے فقہا میں جو اختلاف تھا اس کے باقی رکھنے کا انھوں نے فرمان نافذ فرمایا تھا اسی قسم کے قول سے:

من لم يعرف الاختلاف لم يشم أنفه الفقه .

جو اختلاف کا عالم نہیں، اس کے ناک نے فقہ کی بو بھی نہیں سونگھی۔

OPEN ACCESS

قتادہ کی طرف منسوب ہے یا سعید بن عروبہ کہتے تھے:

من لم يسمع الاختلاف فلا تعده عالما .

یعنی جس نے اختلاف نہیں سنے ہیں اسے تم عالم نہ شمار کرو۔

قبیصہ بن عقبہ بیان کرتے تھے:

لا يفلح من لا يعرف اختلاف الناس.

یعنی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو اختلافات سے واقف نہیں ہے۔

ان سب میں اختلاف کی وہی اہمیت جتائی گئی ہے جس نے ایک بڑے عظیم نفع کے دروازہ کو مسلمانوں پر وا کر دیا ہے۔اس لیے بزرگوں سے منقول ہے

جیسا کہ ایوب سختیانی کا بیان ہے:

أمسك الناس أعلمهم باختلاف العلماء[11]

یعنی حکم لگانے میں جلدی نہ کرنے والا وہی ہو سکتا ہے جو علما کے اختلاف سے زیادہ واقف ہے۔

وہ کہتے تھے کہ ان کے استاد ابن عینیہ اللہ کا قول تھا:

أجسر الناس على الفتيا أقلهم علما باختلاف الناس.[12]

یعنی فتوی دینے میں زیادہ جری وہی ہو سکتا ہے(یعنی کسی چیز کے متعلق قطعی حکم لگا دینا کہ یہ حلال ہے یا حرام)جو اختلاف سے ناواقف ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں مدینہ منورہ کے سب سے بڑے عالم و امام حضرت امام مالک سے خلیفہ عباسی منصور نے اختلاف رائے کو ختم کرنے کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے اسے سمجھایا کہ صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیلے، اور وہ سب حق پر تھے، ان کے درمیان آراء کا فرق تھا، لوگوں نے صحابہ کرام سے سیکھا ہے، میں ان سب کو صرف اپنی رائے کا پابند کیسے بنا سکتا ہوں؟[13]

کہتے ہیں کچھ دنوں کے بعد منصور کے بعد عباسی حکومت کا جو تیسرا خلیفہ ہارون الرشید بھی حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچتا ہے، امام مالک سے اس کی بھی ملاقات ہوتی ہے، خود امام ہی اس قصہ کے بھی راوی ہیں:

ہارون الرشید نے مجھ سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ خانہ کعبہ میں الموطا(امام مالک کی کتاب)لٹکا دی جائے اور عام مسلمانوں کو اس کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

جواب میں اس وقت بھی امام صاحب نے یہی فرمایا:

لا تفعل فإن أصحاب رسول الله ﷺ اختلفوا في الفروع، وتفرقوا في البلدان، وكل مصيب [14]

یعنی ایسا نہ کیجیے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ اسلام کے فروعی مسائل(یعنی البینات میں نہیں)باہم اختلاف رکھتے تھے، وہی لوگ مختلف آبادیوں میں پھیل گئے، ان میں ہر ایک حق صواب پر رہا۔

سفیان ثوری کہتے تھے کہ

اختلف العلماء في كذا، وقولوا: قد وسع العلماء على الأمة بكذا.[15]

علمانے فلاں مسئلہ میں اختلاف کیا نہ کہا کرو، بلکہ یوں اس کو ادا کرو کہ امت کے لیے علمانے یہ گنجائش پیدا کی۔

CC BY

مطلب وہی تھا کہ اختلافات کی یہ شکل اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، نبوت کے صحبت یافتوں نے جب اس کے ازالہ کی کوشش نہیں کی، بلکہ زیادہ تر یہ اختلافات ان ہی کے اختلافات پر مبنی ہیں تو جس نے جو طریقہ اختیار کیا ہے خواہ مخواہ ہٹانے کی کیا ضرورت ہے۔

فقہی اختلاف شاہ ولی اللہ کی نظر میں :

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فقہی اختلاف کی حقیقت اور اسباب کو بڑی گہرائی کے ساتھ دیکھا اور انھیں بیان فرمایا ہے، شاہ صاحب تمام تفصیلات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بیشتر مسائل میں اختلاف کی نوعیت محض افضل و غیر افضل اور اولی و غیر اولی کی ہے، جن مسائل میں صحابہ کرام کی رائیں مختلف ہیں ان میں دلائل دونوں جانب ہیں، اور ان میں کسی بھی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔[16]

فقہی اختلاف شاہ اسمٰعیل شہید کی نظر میں :

فقہیات کے ہر ایک حق و صداقت پر ہونے کے حوالے سے مولانا شہید اپنی کتاب "عبقات" میں لکھتے ہیں:

وتفرق بين أهل الحق كالتفرق بين الأئمة الأربعة أو بين الأشعرية والماتريدية أو بين الوجودية الوراثية والشهودية الظلية أو بين أهل الطرق فالحكم فيه أن كل واحد منهم في أكثر المسائل على طريق حق، ولكل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات، فمن اتبع واحدا[17]

یعنی اہل حق کا مختلف ہونا جیسے آئمہ اربعہ کا اختلاف یا اشعریہ اور ماتریدیہ کا اختلاف، یا صوفیہ میں وجودیہ ورائیہ اور شہودیہ ظلیہ کا اختلاف یا مختلف سلاسل و طرق میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں ان اختلافات کے متعلق فیصلہ یہی ہے کہ ہر ایک ان میں اکثر مسائل میں بر حق ہے، اور ہر ایک اپنے سامنے ایک رخ رکھتا ہے جس کی طرف وہ توجہ کیے ہوئے ہے، مسلمانو! نیکیوں میں باہم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

اور یہی سیدھی سادی بات تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات کے ان قصوں کو نہ عہد صحابہ میں قرآنی مطالبات سے متجاوز سمجھا گیا اور نہ اسکے بعد قرآن کی خلاف ورزی کا الزام ان پر عائد کیا گیا، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے بیچے خیر خواہوں نے اسی کو خیر ٹھہراتے ہوئے ان کے منافع کے پہلوؤں کو مختلف طریقوں سے اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔

فقہی اختلاف کی حیثیت:

ان تفصیلات سے واضح ہو جاتا ہے کہ فقہی اختلاف کوئی حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، یہ باعث زحمت و تنگی نہیں ہے، یہ ناپسندیدہ و مذموم

نہیں ہے، بلکہ اس اختلاف کی حیثیت صرف دو طرح کی ہے، اول یہ کہ بیشتر اختلافی مسائل کی حیثیت محض افضل و غیر افضل کی ہے۔ دوم یہ کہ کچھ اختلافی مسائل ایسے ہیں جن میں ایک رائے کو درست لیکن اس میں خطا کا احتمال اور دوسری رائے کو خطا لیکن اس کے درست ہونے کا احتمال تسلیم کیا گیا ہے۔[18]

موجودہ علماء اسلام کا فیصلہ :

دور حاضر کے دو بڑے اجتماعی تحقیقی اداروں نے فقہی اختلاف کی حیثیت کو واضح کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس موضوع پر عالم اسلام کے ممتاز اکابر اہل علم اسلامی کو جمع کیا اور اس سلسلے میں متفقہ فیصلہ کیا۔ عالم اسلام کے موقر ادارے رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم المجمع الفقہی الاسلامی نے فقہی اختلاف رائے کو امت پر عظیم نعمت اور باعث رحمت و آسانی قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس کی وجہ سے مسائل میں تنگی نہیں ہوتی ہے اور مشکلات کا حل نکالنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستان کے موقر ادارہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے علماء کی بڑی تعداد کے اتفاق کے ساتھ فیصلہ کیا کہ فقہی اختلاف حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، اور آئمہ مجتہدین کی اجتہادی آراء شریعت کا حصہ ہیں۔ ان دونوں موقر و ممتاز اداروں کے ذریعہ گویا تقریباً پوری اسلامی دنیا کے علماء نے فقہی اختلاف کی حیثیت کو متفقہ طور پر متعین کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ فقہی اختلاف امت پر اللہ کی نعمت و رحمت ہے۔ یہ باعث آسانی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول بر حق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی مطلوب ہے اور اسے امت کے درمیان انتشار کا سبب بنانا یا اس کے نام پر بے جا تعصب کا رویہ اپناتے ہوئے امت میں فرقہ بندیاں کرنا درست نہیں ہے۔[19]

حکمتیں:

ایک طرف وحی و نبوت کے الفاظ کی محدودیت اور دوسری طرف الحوادث والنوازل کی غیر حدودیت، یہ دونوں واقعات ایسے ہیں کہ عقل کی دخل اندازی کے بغیر اس خلا کا پر کرنا محال ہے۔ دنیا میں لین دین میں بھی عقل اور فقہ کی محتاجی یہی وہ ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیے دنیا میں لین دین بھی عقل اور فقہ کے محتاج ہیں۔ مشہور اسلامی فیلسوف یعنی معلم المغرب علامہ ابن رشد المالکی اپنی فقہی یادداشت بدایۃ المجتہد میں اسی خیال کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

OPEN ACCESS

إن الوقائع بين أشخاص الأناسي غير متناهية، والنصوص والأفعال والإقرارات متناهية، ومحال أن يقابل ما لا يتناهى بما يتناهى۔[20]

"یعنی انسانی افراد کے درمیان جو حوادث و واقعات پیش آتے ہیں وہ غیر محدود ہیں، اور نصوص و اقرارات (یعنی جن سے مسائل پیدا کیے جاتے ہیں) محدود و متناہی ہیں، محال ہے کہ غیر محدود کا مقابلہ محدود سے کیا جائے۔"

اس خیال کی تائید مشہور حنبلی المذہب عالم، حافظ ابن قیم تک نے ان الفاظ میں کی ہے:

من له مباشرة لفتاوى الناس يعلم أن المنقول وإن اتسع غاية الاتساع فإنه لا يفي بوقائع العالم جميعها[21].

یعنی عام لوگوں کو فتویٰ دینے کے کام کا جنھیں تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ منقولات و ملفوظات خواہ جتنی بھی وسعت حاصل کریں، لیکن پھر بھی سارے جہان کے سارے واقعات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

فقہ کے مسائل قرآن مجید کی جن آیتوں سے مستنبط ہیں ان کی واقعی تعداد بمشکل ڈیڑھ سو تک پہنچی ہے، ملا جیون نے اپنی کتاب تفسیرات احمدیہ میں امام غزالی کا یہ قول نقل کر کے کہ فقہی احکام جن آیتوں سے نکالے جاسکتے ہیں ان کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ لکھا ہے:

إن المصرح فيها المسائل مائة وخمسون

در حقیقت احکام کا صراحتاً بیان جن میں ملتا ہے ان کی تعداد کل ڈیڑھ سو ہے۔

غالباً غزالی نے فقہی آیتوں کی تعداد جو اتنی زیادہ بڑھادی ہے ان میں انھوں نے ان آیتوں کو بھی شمار کر لیا ہے جن سے بعض مسائل کی طرف ضمناً اشارہ ملتا ہے، مثلاً ابو لہب کی بیوی ام جمیلہ کو قرآن میں "امرأته" اس کی عورت قرار دیا گیا ہے، بعض فقہانے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ غیر مسلموں کا نکاح بھی عورت کو بیوی بنا لینے کے لیے کافی ہے اور وہ اس کی قانونی بیوی قرار پائے گی لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک بعید ترین استنباط ہے، مسئلہ بجائے خود صحیح ہے، لیکن اس کے تصریحی دلائل دوسرے ہیں، البتہ ان کی تائید اس اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے، خلاصہ یہ کہ فقہی احکام کی اساسی آیتوں کی تعداد در حقیقت ایک سو پچاس ہے۔[22]

یہی حال حدیثوں کا بھی ہے کہ حدیث کے اتنے ذخیرہ میں سے فقہی مسائل کا جن حدیثوں سے صراحتاً تعلق ہے ان کی تعداد جیسا کہ ابن قیم نے لکھا ہے بمشکل پانچ سو سے متجاوز ہو سکتی ہے، گو ذیلی تشریحات میں جن سے مدد ملتی ہے ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے، لیکن جن کی حیثیت قانون کے اساسی سرچشمہ کی ہو سکتی ہے وہ پانچ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔

اسلام نے زندگی کے جس جس شعبہ اور جن جن پہلوؤں کو اپنے دائرہ بحث میں درج کیا ہے اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی اصلی روح اور اس قانون کی جو اساسی بنیاد ہے اس کو انتہائی لچک دار تعبیروں کے ساتھ، قرآن میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ مثلاً باہمی تجارتی لین دین کے قانون کا ذکر کرتے ہوئے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ[23]

یعنی اے مسلمانو! آپس میں مال ایک دوسرے کا باطل طریقہ سے نہ کھایا کرو، مگر یہ کہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔

یا اس کے ساتھ

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ[24]

یعنی نہ کسی پر زیادتی کرو اور نہ تم پر زیادتی کی جائے۔

یہ چند لفظی ایک دو فقرے قرآن میں پائے جاتے ہیں، لیکن صرف ان ہی چند لفظوں کی روشنی میں فقہائے اسلام نے کم از کم پانچ چھ ہزار دفعات قانون تجارت کے پیدا کیے ہیں، جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے، اور یہی طرز عمل قرآن نے اپنے تمام متعلقہ مباحث کے متعلق اختیار کیا ہے۔[25]

آئمہ فقہ کے مابین اجتہادی اختلافات کی حکمتیں

1۔ امت کے لیے رحمت اور وسعت:

CC BY

آئمہ کے درمیان پائے جانے والے اجتہادی اختلافات در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لیے ایک بڑی رعایت اور رحمت ہیں۔ اگر تمام مسائل پر ایک ہی سخت موقف ہوتا تو امت کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا ہر حال میں ممکن نہ رہتا۔ ان مختلف آراء کی بدولت مسلمانوں کو یہ سہولت ملتی ہے کہ وہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے مختلف فقہی حل اپنا سکیں، جو ان کی زندگیوں میں تنگی پیدا کرنے کے بجائے وسعت پیدا کرتے ہیں۔

2۔ تنگی اور حرج کا خاتمہ:

انسانی زندگی میں بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جہاں ایک فقہی مسلک کی رائے پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے امام کی مستند رائے پر عمل کر کے انسان گناہ اور مشقت سے بچ سکتا ہے۔ شریعت کا مقصد لوگوں کو مصیبت میں ڈالنا نہیں بلکہ راستہ دکھانا ہے، اور یہ اختلافات اسی مقصد کو پورا کرتے ہوئے حرج (تنگی) کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

3۔ زمان و مکان کی رعایت:

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو قیامت تک کے لیے آیا ہے، اس لیے اس کے قوانین میں لچک کا ہونا ضروری تھا۔ آئمہ کے اختلافات اس بات کی گنجائش فراہم کرتے ہیں کہ مختلف خطوں کے رسم و رواج اور بدلتے ہوئے دور کے نئے تقاضوں کو فقہی اصولوں کی روشنی میں حل کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض احکامات ایک علاقے کے لیے زیادہ مناسب ہوتے ہیں اور دوسرے علاقے کے لیے دوسرے امام کی رائے زیادہ موزوں ثابت ہوتی ہے۔

4۔ اسلامی قانون کی ہمہ گیریت:

یہ اجتہادی تنوع اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اسلامی قانون (فقہ) ہر زمانے اور ہر قسم کے معاشرتی ڈھانچے کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ آئمہ کے مختلف استنباطات کی وجہ سے ہمیں ایک ہی مسئلے کے کئی پہلو ملتے ہیں، جو ثابت کرتے ہیں کہ شریعت کوئی جامد نظام نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک قانون ہے جو ہر دور کے چیلنجز کا سامنا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

5۔ فکری و علمی ارتقاء:

فقہی اختلافات نے مسلمانوں میں علمی ذوق اور تحقیق کی روح کو زندہ رکھا۔ جب آئمہ نے قرآن و سنت سے احکام نکالنے کے لیے ایک دوسرے سے علمی اختلاف کیا، تو اس سے دلائل کی چھان پھٹک، لغت کی تحقیق اور استدلال کے نئے طریقے سامنے آئے۔ اس علمی بحث و مباحثے نے نہ صرف فقہ کو ترقی دی بلکہ اصولِ فقہ، علم الحدیث اور علم الکلام جیسے عظیم فنون کی بنیادیں بھی مضبوط کیں۔

6۔ عقل و استدلال کی حوصلہ افزائی:

شریعتِ اسلامیہ نے وحی کے ساتھ ساتھ انسانی عقل کو بھی اہمیت دی ہے۔ آئمہ کے مابین اختلافات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کے نصوص کو سمجھنے کے لیے غور و فکر، تدبر اور فہم کی ضرورت ہے۔ یہ اختلافات اہلِ علم کو اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ صرف ظاہری الفاظ تک محدود نہ رہیں بلکہ احکامات کے پیچھے چھپی ہوئی علتوں اور مصلحتوں کو تلاش کریں، جس سے ذہنی بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

7۔ مختلف طبائع کی رعایت:

تمام انسانوں کی طبیعت ایک جیسی نہیں ہوتی؛ کوئی فطرتی طور پر بہت زیادہ احتیاط اور سختی پسند ہوتا ہے جبکہ کوئی آسانی اور لچک کو ترجیح دیتا ہے۔ آئمہ کے اجتہادات میں کہیں عزیمت اور کہیں رخصت پائی جاتی ہے۔ یہ تنوع مختلف انسانی طبائع کے لیے ایک توازن فراہم کرتا ہے تاکہ ہر شخص اپنی استطاعت اور قلبی اطمینان کے مطابق دین پر عمل پیرا ہو سکے۔

8۔ شرعی دلائل کا تحفظ:

ہر امام نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کی آیات، رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام کے آثار سے استدلال کیا ہے۔ جب مختلف آئمہ نے الگ الگ دلائل کو ترجیح دی، تو اس کے نتیجے میں احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مدون ہوا اور ان کی اسناد کی جانچ پڑتال ہوئی۔ اگر یہ اختلافات نہ ہوتے تو شاید بہت سے آثار اور احادیث عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ جاتیں۔

9۔ جمود کا خاتمہ:

CC BY

اگر کسی مسئلے میں صرف ایک ہی رائے ہوتی تو علم کے باب میں جمود پیدا ہو جاتا اور لوگ صرف لکیر کے فقیر بن کر رہ جاتے۔ اجتہادی اختلافات نے امت کے اہلِ علم کو ہمیشہ بیدار رکھا اور انہیں اس بات کی دعوت دی کہ وہ ہر دور میں نئے سرے سے نصوص پر غور کریں۔ یہ تحرک امت کو ذہنی پسماندگی سے بچاتا ہے اور اسے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اجتہاد کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

10۔ باہمی احترام کی تربیت:

آئمہ فقہ کے مابین ہونے والے اختلافات کا سب سے بڑا سبق اخلاقیات ہے۔ ان بزرگوں نے ایک دوسرے سے سخت اختلاف کے باوجود کبھی ایک دوسرے کی تذلیل نہیں کی۔ ان کا طرزِ عمل ہمیں سکھاتا ہے کہ علمی اختلاف کے باوجود دلوں میں محبت اور ایک دوسرے کا احترام کیسے قائم رکھا جاتا ہے۔ یہ رواداری معاشرے میں امن اور اتحادِ امت کی بنیاد بنتی ہے۔

11۔ عدل و انصاف کی فراہمی میں آسانی:

ریاستی سطح پر جب قاضی کسی پیچیدہ مقدمے کا فیصلہ کرتا ہے، تو آئمہ کے مختلف اجتہادات اس کے لیے مشعلِ راہ بنتے ہیں۔ بسا اوقات ایک امام کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنے سے کسی فریق پر ظلم کا اندیشہ ہوتا ہے، جبکہ دوسرے امام کے اصولوں کی روشنی میں انصاف کے تقاضے زیادہ بہتر طور پر پورے ہو رہے ہوتے ہیں۔

12۔ دین کی تفہیم کے متعدد زاویے:

قرآن و سنت کے الفاظ سمندر کی طرح گہرے ہیں۔ ائمہ کے اختلافات در حقیقت ایک ہی حقیقت کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا نام ہے۔ ایک امام کسی لفظ کے ظاہری معنیٰ کو لیتا ہے تو دوسرا اس کی روح اور مقصد (مقاصدِ شریعہ) پر نظر رکھتا ہے۔ اس سے دین کی ایسی شرح سامنے آتی ہے جو محض لفظی نہیں بلکہ معنوی اعتبار سے بھی بھرپور ہوتی ہے۔

13۔ اقلیتوں کے لیے فقہی سہولت:

جو مسلمان غیر مسلم ممالک میں اقلیت کے طور پر رہتے ہیں، انہیں اکثر ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو مسلم معاشروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ آئمہ کے اجتہادی اختلافات ان کے لیے ایک ڈھال کا کام کرتے ہیں۔ وہاں کے مخصوص حالات، قوانین اور سماجی دباؤ کے پیشِ نظر وہ آئمہ کی ایسی آراء پر عمل کر سکتے ہیں جو ان کے ایمان کے تحفظ اور زندگی گزارنے میں آسانی پیدا کرتی ہوں۔

14۔ فتویٰ کے باب میں لچک اور وسعت:

ایک مفتی جب فتویٰ دیتا ہے تو وہ صرف کتاب نہیں دیکھتا بلکہ سائل کی حالت، اس کی مجبوری اور سماجی پس منظر کو بھی سامنے رکھتا ہے۔ فقہی اختلافات مفتی کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ آئمہ کے ذخیرہ علم سے ایسی راہ نکالے جو شرعی حدود کے اندر بھی ہو اور سائل کی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہو، جس سے دین لوگوں کے لیے بوجھ نہیں بنتا۔

15۔ اجتہاد کے تسلسل کی ضمانت:

آئمہ کے اختلافات نے یہ اصولی بات طے کر دی کہ اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ اگر آئمہ کرام اپنی عقل و بصیرت سے قرآن و سنت سے نئے احکام نکال سکتے تھے، تو یہ عمل ہر دور کے جید علماء کے لیے جائز ہے۔ یہ اختلافات امت کے ذہین افراد کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنے دور کے نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کریں۔

16۔ عبادات میں تنوع اور حسن:

نماز، روزہ، حج اور دیگر عبادات کی تفصیلات میں آئمہ کا اختلاف در حقیقت سنتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کا اظہار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض اوقات ایک کام ایک طرح سے کیا اور دوسری بار دوسری طرح سے۔ آئمہ نے ان تمام صورتوں کو محفوظ کر لیا، جس سے عبادات میں تنوع اور حسن پیدا ہوا ہے۔

17۔ جدید معاشی معاملات میں رہنمائی:

آج کے دور میں تجارت، انشورنس اور ڈیجیٹل بینکنگ جیسے پیچیدہ مسائل درپیش ہیں۔ آئمہ فقہ کے اصولِ تجارت میں جو اختلافات ہیں، وہی آج ہمیں ان نئے مسائل کا حل نکالنے میں مدد دیتے ہیں۔ کسی امام نے "مصلحت" کو بنیاد بنایا تو کسی نے "عرف" کو؛ ان اصولوں کو ملا کر جدید معیشت کو اسلامی قالب میں ڈھالنا آسان ہو جاتا ہے۔

18. سیاسی و انتظامی نظم میں مدد:

OPEN ACCESS

اسلامی ریاست کے نظم ونسق اور حکمرانی کے طریقے کے حوالے سے آئمہ نے مختلف آراء دی ہیں۔ حکمرانوں کے لیے یہ تنوع ایک نعمت ہے، کیونکہ وہ ملکی مفاد اور عوامی بہبود کے لیے کسی بھی فقہی مکتبِ فکر کی ایسی رائے کو قانون کا حصہ بنا سکتے ہیں جو اس وقت کے حالات میں زیادہ بہتر نتائج دے رہی ہو۔

19۔ اتحادِ امت کی بنیاد:

بظاہر یہ اختلافات تقسیم نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ اتحاد کی بنیاد ہیں۔ جب ایک مسلمان یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ دوسرے مسلمان کے پاس بھی اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی نہ کوئی دلیل موجود ہے، تو اس سے فرقہ وارانہ نفرت ختم ہوتی ہے اور علمی تنوع کا احترام پیدا ہوتا ہے۔

20۔ حفاظتِ دین اور جامعیت:

یہ اختلافات اس بات کی علامت ہیں کہ دینِ اسلام کسی ایک شخص کی ذاتی جاگیر نہیں، بلکہ یہ ایک جامع نظام ہے جسے اللہ نے مختلف اذہان کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے۔ مختلف فقہی آراء کا موجود ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ دین کی اصل روح محفوظ رہے گی اور یہ ہر زمانے میں قابلِ عمل رہے گا۔

ان تمام حکمتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ فقہ کے مابین اجتہادی اختلافات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا حصہ ہیں۔ یہ اختلافات امت کے لیے آسانی، علمی پختگی، باہمی برداشت، اور دین کی بقا کا ذریعہ ہیں۔ ان کی بدولت شریعت اسلامیہ ہر زمانے میں قابل عمل رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔

آئمہ فقہ کے مابین اجتہادی اختلافات کے محاسن

آئمہ فقہ کے مابین اجتہادی اختلافات محض نظریاتی نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے ایسے محاسن چھپے ہیں جو اسلامی قانون کو ہر دور کے لیے قابل عمل بناتے ہیں۔

اس حوالے سے شیخ محی الدین ابن عربی کا نظریہ ہے کہ اختلاف عمل رسول اللہ ﷺ کی محبت کا اقتضا ہے ، ابن عربی نے اپنے طویل مضمون میں ان اختلافی مسائل کے متعلق یہ نقطہ پیدا کیا ہے کہ نسل انسانی میں جو سراپا محمد ستودہ صفات بنا کر پیدا کیا گیا تھا، ایسا ستودہ صفات کہ شاعر النبی ﷺ کا مشہور نعتیہ مصرعہ

كانك قد خلقت كما تشاء

یعنی آپ اس طرح پیدا کیے گئے جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔

شعر نہیں بلکہ حقیقی واقعہ تھا، ظاہر ہے کہ جو ایسا ہو، اس کے ہر فعل اور ہر فعل کے ہر پہلو کو ابد تک اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کے لیے اگر قدرت نے یہ کیا کہ کسی نہ کسی جماعت یا فرد کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس کو وہ اختیار کرے، تو محبت کا اقتضا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ شیخ کا خیال ہے کہ جو نمازوں میں رفع الیدین کرتے ہوئے خدا کے سامنے جھکتا اور اٹھتا ہے وہ بھی اسی کے فعل کے جلوے کو خدا کے سامنے پیش کر رہا ہے جسے خدا چاہتا ہے، اور جو اس عمل کے بغیر اپنی نمازیں ادا کرتا ہے وہ بھی وہی کر رہا ہے جو خدا کا محبوب کرتا تھا۔[26]

یہ ایسے اختلافات ہیں جو نصوص شرعیہ کے مختلف فہم اور تعبیرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ شرعی حیثیت کے اعتبار سے یہ اختلافات رحمت اور وسعت کا باعث ہیں، نہ کہ نزاع اور تفرقہ کا۔

معاشرتی رواداری اور 'ادبِ اختلاف' کی تربیت

آئمہ کے مابین اختلاف کا سب سے خوبصورت ثمر اخلاقی تربیت ہے۔ انہوں نے شدید علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے علمی مقام اور تقویٰ کا احترام کیا۔ یہ خوبی امت کو سکھاتی ہے کہ نظریاتی اختلاف کا مطلب دشمنی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک صحت مند علمی سرگرمی ہے۔ اس سے معاشرے میں انتہا پسندی کا خاتمہ ہوتا ہے اور برداشت کا کلچر پروان چڑھتا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے احترام میں ان کے مزار کے پاس اپنی رائے (قنوتِ فجر) چھوڑ دینا؛ یہ واقعہ امت کو پیغام دیتا ہے کہ آپسی احترام کسی بھی ذاتی رائے سے بڑھ کر ہے۔[27]

'مصلحتِ عامہ' (Public Interest) کا تحفظ

فقہی اختلافات کا ایک بڑا مقصد عوامی مفاد کا تحفظ ہے۔ بعض اوقات نص کے ظاہری پہلو کے بجائے اس کے پیچھے چھپی مصلحت کو دیکھا جاتا ہے۔ آئمہ کے ہاں 'مصلحت' کے اصولوں میں اختلاف دراصل معاشرے کے مختلف طبقات کو فائدہ پہنچانے کی مختلف راہیں کھولتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کا مقصد انسانیت کی فلاح اور نظامِ زندگی کو درست رکھنا ہے۔ مثلاً امام مالکؒ کا "مصالح مرسلہ" کا قاعدہ؛ جس کے تحت ایسے انتظامی امور (جیسے ٹریفک قوانین یا سرکاری رجسٹریشن) کو قانونی حیثیت دی جاتی ہے جن کا ذکر قرآن و حدیث میں صراحتاً نہیں، مگر عوامی نظم و ضبط کے لیے وہ ناگزیر ہیں۔

OPEN ACCESS

'سدِ ذرائع' (برائی کے راستوں کی ناکہ بندی)

کچھ آئمہ نے معاشرے کو گناہ سے بچانے کے لیے ان راستوں کو بھی بند کیا جو بظاہر جائز لگتے تھے مگر ان کا نتیجہ برائی کی صورت میں نکلتا تھا۔ یہ دور اندیشی معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا ہونے سے بچاتی ہے۔ یہ پہلو خاص طور پر معاشی اور معاشرتی معاملات میں پاکیزگی برقرار رکھنے کے لیے ایک مضبوط ڈھال ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ان تمام تجارتی حیلوں کو ممنوع قرار دینا جو بظاہر خرید و فروخت ہوں مگر حقیقت میں سود (Riba) تک پہنچنے کا راستہ بنتے ہوں، جو معاشی نظام کی شفافیت کو یقینی بناتا ہے۔

شریعت کی آفاقیت اور ہمہ گیر وسعت

فقہی اختلافات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اسلام کسی ایک مخصوص تہذیب یا زمانے کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ آئمہ نے جب قرآن و سنت کی نصوص سے مختلف نتائج نکالے، تو اس سے شریعت کے وہ پوشیدہ گوشے روشن ہوئے جو ہر نوع کے انسانی حالات کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ تنوع ثابت کرتا ہے کہ شریعت میں اتنی لچک موجود ہے کہ وہ قیامت تک آنے والے ہر نئے چیلنج کا جواب دے سکے۔ مثلاً وضو میں سر کے مسح کی مقدار پر اختلاف؛ جہاں امام مالکؒ پورے سر کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہیں امام شافعیؒ محض چند بالوں کے مسح کو کافی سمجھتے ہیں، جو شدید سردی یا بیماری میں ایک بڑی سہولت بن جاتی ہے۔[28]

'رفعِ حرج' اور انسانی ضرورتوں کی رعایت

اسلام کا بنیادی اصول "آسانی پیدا کرنا" ہے۔ آئمہ کے مختلف اقوال امت کے لیے ضرورت کے وقت ایک ایسی علمی پناہ گاہ فراہم کرتے ہیں جہاں انسان تنگی سے نکل کر آسانی کی طرف آ سکے۔ جب کسی ایک فقہی مسلک پر عمل کرنا کسی خاص جسمانی یا مالی حالت میں ناممکن ہو جائے، تو دوسرے امام کی رائے پر عمل کرنا انسان کو گناہ اور مشقت سے بچا لیتا ہے۔ مثلاً مسلسل خون بہنے یا قطروں کے مرض میں مبتلا شخص کے لیے امام مالکؒ کی رائے (کہ وضو قائم رہتا ہے) اسے ہر نماز کے لیے نئے وضو کی مشقت سے بچاتی ہے اور اسے اطمینانِ قلب کے ساتھ عبادت کا موقع دیتی ہے۔[29]

'تنوعِ عبادات' میں چھپا ہوا روحانی حسن

عبادات کے ظاہری طریقوں میں آئمہ کا اختلاف دراصل سنتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ یہ اختلاف اس بات کی گنجائش دیتا ہے کہ مومن اپنی قلبی کیفیت اور راحت کے مطابق سنت کے ان تمام طریقوں پر عمل کر سکے جو آئمہ نے مستند ذرائع سے نقل کیے ہیں۔ اس سے عبادت محض ایک میکانکی عمل نہیں رہتی بلکہ اس میں ایک روحانی تازگی برقرار رہتی ہے۔ مثلاً نماز میں ہاتھ باندھنے کی مختلف جگہوں (ناف کے نیچے، سینے پر یا ہاتھ چھوڑنا) پر اختلاف؛ یہ تمام صورتیں سنت کے تنوع کو ظاہر کرتی ہیں اور ثابت کرتی ہیں کہ اصل مقصود اللہ کے حضور بندگی ہے، نہ کہ محض ایک ظاہری ہیئت۔[30]

زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ ہم آہنگی

فقہ کا حسن اس کے متحرک ہونے میں ہے، اور یہ تحرک آئمہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ آئمہ نے اپنے اپنے دور کے عرف، عادت اور سماجی ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر اجتہاد کیا، جس سے یہ اصول طے ہوا کہ حالات بدلنے سے احکام میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ یہ خوبی اسلام کو ایک زندہ قانون بناتی ہے جو بدلتی ہوئی دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ کا اپنے قدیم اقوال (عراق) کو ترک کر کے مصر کے حالات کے مطابق نئے اقوال (قولِ جدید) اپنا لینا اس بات کی بہترین مثال ہے کہ فقہ معاشرتی تبدیلیوں کو قبول کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔

علمی مکالمے اور تحقیقی ذوق کی آبیاری

جب فقہاء کے درمیان علمی اختلاف ہوتا ہے، تو وہ طالب علموں میں دلیل تلاش کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ آئمہ کے مباحث نے امت کو یہ سکھایا کہ سچائی تک پہنچنے کے لیے عقل اور نقل کا موازنہ کیسے کیا جاتا ہے۔ یہ عمل اسلامی تاریخ میں عظیم کتب کی تصنیف اور اصولِ فقہ جیسے پیچیدہ علوم کی ایجاد کا باعث بنا، جس نے مسلمانوں کو فکری طور پر ہمیشہ بیدار رکھا۔ مثلاً "الہدایہ" یا "کتاب الام" جیسی کتابیں آئمہ کے علمی استدلال کا عروج دکھاتی ہیں، جہاں ہر مسئلہ دلیل کی چھلنی سے گزر کر سامنے آتا ہے اور محقق کو سوچنے کے نئے زاویے فراہم کرتا ہے۔

'عرف و عادت' کا قانونی مقام اور مقامی کلچر

اسلامی فقہ نے کبھی بھی مقامی روایات کو یکسر مسترد نہیں کیا، بشرطیکہ وہ بنیادی عقائد سے نہ ٹکرائیں۔ آئمہ کے اختلافات میں مقامی رواج کو جو اہمیت دی گئی ہے، وہ ثابت کرتی ہے کہ اسلام ہر علاقے کے لوگوں کے لیے قابلِ عمل ہے۔ یہ خوبی مختلف تہذیبوں کے لوگوں کو اسلام کے دائرے میں آنے اور اس پر عمل کرنے میں ذہنی سہولت فراہم کرتی ہے۔ مثلاً لین دین کے مختلف

CC BY

طریقے (آن لائن، سپر مارکیٹ جہاں قیمت طے ہو) جو زبان کے بجائے اشاروں یا رسم و رواج پر مبنی ہوں (بیع تعاطی)؛ آئمہ نے انہیں عوامی سہولت کے پیشِ نظر جائز قرار دیا تاکہ روزمرہ کے معاملات میں پیچیدگی پیدا نہ ہو۔[31]

خواتین کے حقوق اور عائلی تحفظ

خاندانی زندگی کے معاملات میں آئمہ کے اختلافات خواتین کو مختلف سماجی حالات میں قانونی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ جہاں ایک مسلک میں تنگی ہو، وہاں دوسرے مسلک کی روشنی میں عورت کی حق تلفی کو روکا جاسکتا ہے۔ یہ تنوع ثابت کرتا ہے کہ شریعت نسوانی حقوق اور خاندانی استحکام کے لیے کس قدر حساس اور فکر مند ہے۔ مثلا مالکی مذہب کی کتاب "الموافقات جلد چہارم صفحہ ۲۰۲ میں ایک نہیں متعدد مثالیں اس مالکی عالم نے اس بات کی دی ہیں کہ ایک عورت مہر سے یا شوہر کی میراث سے مالکی فتوی کی رو سے محروم ہو رہی تھی، لیکن صرف اس لیے کہ محرومی کی بنیاد جس مسئلہ پر قائم ہے وہ اتفاقی نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ کا اس میں اختلاف ہے، اس لیے مالکیوں کو بھی امام ابو حنیفہ کے اس اختلاف کی رعایت کرنی پڑی اور جو حق اس عورت کا کھو گیا تھا، اسے دلا دیا گیا اور ایک نکاح نہیں بلکہ بیع و شراء اجارہ حتی کہ عبادات تک میں اس اختلاف کا فائدہ مسلمانوں کو ہمیشہ پہنچتا رہا۔[32]

'تلفیق' (انتخابِ رخصت) کی شرعی گنجائش

انتہائی ضرورت اور مجبوری کے وقت علماء کا کسی دوسرے مسلک کی مستند رائے کو اختیار کر لینا "تلفیق" کہلاتا ہے۔ یہ اختلافِ آئمہ کا وہ فائدہ ہے جو بڑے بڑے معاشرتی بحرانوں کو حل کرنے میں کام آتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فقہاء کی آراء انسانوں کو پھنسانے کے لیے نہیں بلکہ مسائل سے نکالنے کے لیے ایک کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ مثلا برصغیر میں لاپتہ شوہر (مفقود الخبر) کی بیوی کے مسئلے میں، حنفی فقہ کے بجائے مالکی فقہ کے مطابق چار سال کی مدت مقرر کر کے ہزاروں خواتین کی زندگیوں کو اجیرن ہونے سے بچایا گیا۔[33]

معاشی عدل اور مالیاتی تنوع

جدید دور کے پیچیدہ مالیاتی نظاموں کو ریگولیٹ کرنے کے لیے آئمہ کے باریک معاشی اختلافات روشنی فراہم کرتے ہیں۔ ٹیکس، زکوۃ اور شراکت داری کے معاملات میں آئمہ کی آراء سے ایسے حل نکالے جاسکتے ہیں جو غریبوں کی امداد اور سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی کے درمیان توازن پیدا کریں۔ یہ خوبی اسلامی معیشت کو ہر دور میں فعال رکھتی ہے۔ مثلاً زکوۃ کی ادائیگی میں مال کے بجائے اس کی قیمت دینے کا مسئلہ[34] (حنفی موقف)؛ جس سے مستحقین کی ضرورت کو ان کی پسند کے مطابق پورا کرنا آسان ہو جاتا ہے اور معاشی گردش میں تیزی آتی ہے۔

'اجتہادِ مستمر' (سوچ کا تسلسل)

اگر آئمہ کا آپس میں اختلاف نہ ہوتا، تو امت یہ سمجھ بیٹھتی کہ دین صرف لکیر کا فقیر بننے کا نام ہے۔ ان کے اختلافات نے یہ پیغام دیا کہ دین کی نصوص (Texts) میں غور و فکر کرنے کی قیامت تک گنجائش ہے۔ یہ خوبی مسلمانوں کو علمی میدان میں پیچھے رہنے سے بچاتی ہے اور ہر دور کے نئے علمی و سائنسی چیلنجز کا سامنا کرنے کی ہمت دیتی ہے۔ مثلا دورِ حاضر میں انشورنس، ڈیجیٹل کرنسی اور اعضاء کی پیوند کاری جیسے جدید مسائل پر فقہاء کے درمیان جاری مباحث آئمہ کے انہی اصولوں کی توسیع ہیں جو انہوں نے صدیوں پہلے وضع کیے تھے۔

. 'الاحتیاط' اور 'الرخصہ' کا توازن

فقہی تنوع کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ معاشرے کے ہر طبقے کی ذہنی اور ایمانی حالت کا خیال رکھتا ہے۔ جو لوگ تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہونا چاہتے ہیں، وہ 'احتیاط' والے اقوال اپنا سکتے ہیں، جبکہ عام لوگوں یا کمزوروں کے لیے 'رخصت' والے اقوال موجود ہیں۔ یہ توازن اسلام کو ایک فطری دین بناتا ہے جو ہر ایک پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ مثلاً وضو ٹوٹنے کے اسباب میں اختلاف: ایک شخص احتیاطاً معمولی خون نکلنے پر بھی وضو کر سکتا ہے (حنفی)، لیکن اگر وہ کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی میسر نہ ہو، تو وہ شافعی مسلک کی بنیاد پر اپنی نماز ادا کر سکتا ہے۔۔[35]

بین الاقوامی قوانین اور انسانی تعلقات

آئمہ کے اجتہادات نے جنگ، امن اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے متعلق جو ضابطے بنائے، وہ آج کے بین الاقوامی قوانین کے لیے بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتے ہیں۔ ان اختلافات کی بدولت سفارتی تعلقات اور عالمی تجارت میں اسلامی ریاستوں کو ایک واضح اور منصفانہ راستہ ملتا ہے جو انسانی حقوق کی پاسداری پر مبنی ہے۔

لغوی اور لسانی باریکیوں کا علمی تحفظ

CC BY

قرآنی الفاظ کی تشریح میں آئمہ کا اختلاف دراصل عربی زبان کی بلاغت اور وسعت کا تحفظ ہے۔ جب آئمہ کسی ایک لفظ کے مختلف معانی پر بحث کرتے ہیں، تو اس سے کلامِ الٰہی کے وہ گہرے مطالب واضح ہوتے ہیں جو ایک سطحی مطالعے سے ممکن نہیں تھے۔ یہ خوبی قرآن فہمی کے علم کو ایک نئی جہت اور گہرائی عطا کرتی ہے۔

اسلام کی آفاقی شناخت کا تحفظ

پوری دنیا کے مختلف خطوں (جیسے افریقہ، وسطی ایشیا اور مشرقِ بعید) میں الگ الگ فقہی مذاہب کی موجودگی نے اسلام کو وہاں کے لوگوں کے لیے قابلِ قبول بنایا۔ یہ تنوع اسلام کی آفاقی شناخت کو برقرار رکھتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ دینِ محمدی ﷺ ہر کلچر اور ہر رنگ کے انسان کو اپنی آغوش میں لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

امت مسلمہ کے لیے اجتہادی اختلافات سے استفادے کے اصول

احترام اختلاف: تمام آئمہ اور ان کے اجتہادی آراء کا احترام کیا جائے، اور کسی پر تنقید و طعن سے اجتناب کیا جائے۔

اجتہاد کی حدود کا علم: اجتہاد صرف فروعی مسائل میں ہے، اصولی مسائل میں نہیں۔ اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

تقلید اور تحقیق: عام مسلمان کسی معتبر عالم کی تقلید کریں، جبکہ اہل علم کو تحقیق و اجتہاد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

فتنہ و فساد سے اجتناب: اختلافات کو بنیاد بنا کر امت میں فتنہ و فساد پیدا کرنے سے بچا جائے، اور وحدت کو ترجیح دی جائے۔

وسعت ظرفی: دوسرے کی رائے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جائے اور اپنی رائے کو حتمی نہ سمجھا جائے۔

یہ اصول امت کو اجتہادی اختلافات کو مثبت انداز میں اپنانے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں مدد دیں گے۔ یہ اختلافات تفرقے کا نہیں بلکہ فکری وسعت کا ذریعہ بننے چاہییں۔

اجتہادی اختلافات کو حل کرنے کے جدید طریقہ کار

جدید دور میں اجتہادی اختلافات کو بہتر انداز میں سمجھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کیے جاسکتے ہیں:

1۔ فکری مکالمے

مختلف مکاتب فکر کے علماء کے مابین باقاعدہ فکری مکالمے اور علمی مجالس کا انعقاد کیا جائے تاکہ مسائل پر گہرائی سے تبادلہ خیال ہو۔

2۔ مشترکہ فقہی کونسلیں

عالمی اور علاقائی سطح پر مشترکہ فقہی کونسلیں قائم کی جائیں جو جدید مسائل پر متفقہ یا غالب رائے قائم کرنے کی کوشش کریں۔

3۔ تحقیقی مراکز

ایسے تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں جو قدیم و جدید اجتہادی آراء کا تقابلی مطالعہ کریں اور ان کا تجزیہ پیش کریں۔

4۔ تعلیمی اصلاحات

دینی مدارس اور جامعات کے نصاب میں اجتہادی اختلافات کی تاریخ، اسباب اور اہمیت کو شامل کیا جائے تاکہ طلباء میں وسعت نظری پیدا ہو۔

یہ طریقے نہ صرف اختلافات کو کم کرنے میں مدد دیں گے بلکہ ایک دوسرے کی آراء کو سمجھنے اور احترام کرنے کا ماحول بھی پیدا کریں گے۔

خلاصہ کلام

اجتہادی اختلافات فقہِ اسلامی کا ایک ناگزیر اور فطری جزو ہیں، جو نہ صرف اس کے علمی ارتقاء کی علامت ہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے وسعت، آسانی اور رہنمائی کا عظیم ذریعہ بھی ہیں۔ ان اختلافات کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ یہ جائز، معتبر اور قابلِ احترام ہیں، کیونکہ یہ کسی ذاتی خواہش یا تعصب کا نتیجہ نہیں بلکہ قرآن و سنت کے عمیق فہم، اصولی استنباط اور علمی دیانت کا مظہر ہیں۔ آئمہٗ مجتہدین نے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر نصوصِ شرعیہ سے احکام اخذ کیے، جس کے نتیجے میں بعض مسائل میں اختلافِ رائے سامنے آیا، جو درحقیقت علمی تنوع کی ایک حسین صورت ہے۔ ان اختلافات کے بنیادی اسباب میں نصوصِ قرآن و سنت کے مختلف فہم، احادیث کی صحت و ضعف کے تعین میں فرق، اصولِ استنباط (جیسے قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ) میں تنوع، اور عرف و عادات کا اختلاف شامل ہیں۔ ائمہ اربعہ کے مختلف مناہجِ اجتہاد نے ان اختلافات کو ایک منظم اور اصولی بنیاد فراہم کی، جس سے فقہ اسلامی کی گہرائی، وسعت اور ہمہ گیریت میں اضافہ ہوا۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ یہ اختلافات بنیادی عقائد یا اصولِ دین میں نہیں بلکہ فروعی اور عملی مسائل میں ہیں، اور ان کا مقصد ہرگز تفرقہ یا نزاع پیدا کرنا نہیں بلکہ دین میں سہولت، اعتدال اور لچک پیدا کرنا ہے۔

مزید برآں، ان اجتہادی اختلافات کے پس پشت گہری الٰہی حکمتیں کارفرما ہیں۔ ان کے ذریعے امت پر غیر ضروری سختی کا دروازہ بند کیا گیا، شریعت کی وسعت اور جامعیت کو نمایاں کیا گیا، اور اہل علم کی اجتہادی صلاحیتوں کو جِلا بخشی گئی۔ یہ اختلافات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلامی شریعت ایک جامد نظام نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک قانون ہے، جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان اختلافات کے محاسن نہایت وسیع اور ہمہ جہت ہیں۔ یہ امت کو اعتدال و توازن (میانہ روی) کا راستہ دکھاتے ہیں اور اسے افراط و تفریط سے

OPEN ACCESS

محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ معاشرے میں رواداری، برداشت اور ادبِ اختلاف کو فروغ دیتے ہیں، جس سے باہمی احترام اور اتحادِ امت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ یہ اختلافات فقہ اسلامی کو ایک عظیم علمی ذخیرہ فراہم کرتے ہیں، جس کی بدولت ہر دور کے نئے اور پیچیدہ مسائل کا حل نکالنا ممکن ہوتا ہے۔ یہی علمی تنوع اسلامی قانون کو زمان و مکان کے تغیرات کے ساتھ ہم آہنگ رکھتا ہے۔ حاصلِ بحث یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات کو تفرقہ یا کمزوری سمجھنے کے بجائے ایک رحمت، علمی وسعت اور دینی بصیرت کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ یہی اختلافات درحقیقت امت کی فکری پختگی، عملی سہولت اور دینی استحکام کی بنیاد ہیں، اور ان کے صحیح فہم اور مثبت استعمال سے ہی امت مسلمہ اپنی حقیقی علمی و عملی عظمت کو برقرار رکھ سکتی ہے۔

مصادر و مراجع

---

[1]۔الواسع، پروفیسر اختر، فقہ اسلامی تعارف اور تاریخ، مکتبہ قاسم العلوم، اردو بازار لاہور، 2011ء، ص207

[2]۔یونس 122:10

[3]۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتہد ۴ / ۳۴۷

[4]۔الواسع، پروفیسر اختر، فقہ اسلامی تعارف اور تاریخ، ص207

[5]۔گیلانی، مناظر احسن، تدوین فقہ واصول فقہ، البشریٰ ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ، کراچی، 2015ء، ص50

[6]۔ایضاً، ص51

[7]۔ ،شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، تونس، 1302ھ، ج4، ص186

[8]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص51

[9]۔ الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن دارمی، ج1، ص51

[10]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص53

[11]۔ایضاً، ص54

[12]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص54

[13]۔ دہلوی، ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مطبوعہ دار التراث، مصر 1955ء جلد1/270

[14]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص62

[15]۔ایضاً، ص70

[16]۔الواسع، فقہ اسلامی تعارف اور تاریخ، ص209

[17]۔ ۔ عبقات، کراچی، 1960ء، ص174

[18]۔الواسع، فقہ اسلامی تعارف اور تاریخ، ص210

[19]۔ایضاً، ص211

[20]۔ علامہ، ابن رشد، بدایۃ المجتہد، قاہرہ، 1969ء، ج1، ص1

[21]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص31

[22]۔ایضاً، ص25

[23]۔النساء 29:4

[24]۔البقرۃ 279:2

[25]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص40

[26]۔گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص55

[27]۔ گیلانی، سید مناظر احسن، مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور، 1974ء، ص17

[28]۔ امین، حافظ محمد، مترجم سنن نسائی، دارالسلام، لاہور، ص98

[29]۔ الزحیلی، دکتور وھبہ، الفقہ الاسلامی، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی، ج 1، ص 291

[30]۔ قمر، ابو عدنان محمد منیر، مختصر فقہ الصلاۃ نماز نبوی، جامع الکتب الاسلامیہ الخبر، دمام سعودی عرب، ج1، ص98

[31]۔ اتاسی، علامہ خالد، شرح المجلہ (مترجم مفتی امجد الاعلی)، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان، ص115

[32]۔ گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص46

[33]۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، الحیلة الناجزة الحیلة العاجزة (تحقیق وترتیب: عبد الرزاق قاسمی)، امارت شرعیہ، ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی، ص85

[34]۔ فتاوی عالمگیری، (مترجم مولانا سید امیر علی) مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ج1، ص426

[35]۔ گیلانی، تدوین فقہ واصول فقہ، ص64